© rasailojaraid.com

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور تصوف اور اخلاق حمیدہ

حکیم محمود احمد ظفر

سیالکوٹ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ تصوف کیا بلا ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے میں نے فورا جواب دیا ''صرف تصحیح'' فرمایا تصوف کی ابتداء'' انما الاعمال بالنیات '' سے ہوتی ہے اور انتہاء''ان تعبد اللہ کانک تراہ '' ہے۔اسی کو نسبت کہتے ہیں اور اسی کو یادداشت کہتے ہیں اور اسی کو حضوری کہتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ میں نے مولانا حبیب الرحمٰن سے کہا کہ سارے پاپڑ اسی کے لیے پیلے جاتے ہیں ذکر بالجبر بھی اسی واسطے ہے، مجاہدہ اور مراقبہ بھی اسی واسطے اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے کسی طرح بھی یہ دولت عطا کردے تو اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکمائے امت نے قلبی امراض کی کثرت کے باعث مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے لیے تجویز کرتے ہیں، روحانی اطباء نے روحانی امراض کے لیے ہر زمانہ کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط تھے، نسخے تجویز فرمائے جو بعضوں کو تو بہت نفع پہنچاتے ہیں اور بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔

جب یہ پتہ چل گیا کہ اخلاق کی تمام تر بنیاد ارادہ ونیت پر ہے، جو کہ قلب کا عمل ہے تو قلب کی اندرونی کیفیت اور حالت کی درستی کے لیے اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ کوئی ایسی ہستی بھی ہے جو ہمارے دل کے ہر گوشہ کو ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے جھانک رہی ہے۔ ہم جہاں بھی ہوں کوئی ایسی ذات ہے جس کی نگاہ ہمارے دل کی تہ کو ہزاروں پردوں میں بھی دیکھ رہی ہے۔ دنیا کی تمام قوتیں صرف ہمارے جسم پر حکمران ہیں، لیکن ایک قدرت والا ایسا بھی ہے جو دل پر حکمران ہے۔ پھر یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ اس ذات کے آگے ہمیں اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔ اور ایک روز ایسا بھی آئے گا جب ہمیں اپنے اعمال کی جزا یا سزا بھی ملے گی۔ جب تک یہ دو خیال ہمارے دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوں اچھے اعمال کا اچھی نیت سے وجود قطعی ناممکن اور محال ہے۔

تیسری شے جو اس سلسلہ میں ضروری ہے وہ ہے غرض و غایت اسلام میں نفس عمل مطلوب نہیں، بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض و غایت صحیح ہو۔ عمل اگر قالب ہے تو غرض و غایت اس کی روح اور روح کے بغیر کوئی عمل نہیں رہ سکتا علمائے اخلاق کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ انسان کا کوئی فعل غرض و غایت سے خالی نہیں ہوتا، لیکن وہ غرض و غایت ہے کیا؟ اس کا علمائے اخلاق کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔ اسلام کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ اخلاق کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے، البتہ اس کو اس سے بحث ہے کہ غرض و غایت کیا ہونی چاہیے؟ اسلام میں اس غرض و غایت اللہ کی رضا ہے اگر چہ اسلام میں جنت کو ایک مومن کے نیک کام کا لازمی نتیجہ ضرور بتایا گیا ہے لیکن اس کو نیک کام کی غرض و غایت قرار نہیں دیا گیا۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی روک
دوزخ میں لے کے ڈال دے کوئی بہشت کو

انسان کو بدی کی ترغیب دینے، بلکہ ابھارنے والی دو قوتیں ہیں ایک شیطان اور دوسرا نفس یہ دونوں انسان کے دشمن ہیں، شیطان نے اگر چہ قسم کھا کر کہا تھا کہ اے اللہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کر کے چھوڑ دوں گا لیکن شیطان پھر بھی نفس نفسانی سے چھوٹا دشمن ہے۔ سب سے بڑا دشمن انسان کا اس کا اپنا نفس ہے ایک تو اس لیے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے عدو مبین کہا ہے یعنی ظاہری دشمن، اور ظاہری دشمن سے آدمی آسانی کے ساتھ بچ سکتا ہے، لیکن جو دشمن چھپا ہوا ہو اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے اور وہ ظاہری دشمن سے بڑا دشمن ہوتا ہے، دوسری وجہ سے کہ خود شیطان کو بھی اس کے نفس نے ہی راندۂ بارگاہ الٰہی بنایا تھا، اس وجہ سے نفس شیطان کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔

نفس ہے کیا؟ اس کو مولانا تھانویؒ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی شے کی خواہش کرتا ہے، خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر، اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو، اس وقت یہ امارہ کہلاتا ہے یعنی کثیر الامر بالسوء اور ہویٰ اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہے اور کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش کا پیدا ہو جانا اس مفہوم کے منافی نہیں کیوں کہ کثیر الامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں۔ اور اگر یہ نفس نادم بھی ہونے لگے تو پھر ''لوامہ'' کہلاتا ہے۔ اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت ''مطمئنہ'' کہلاتا ہے یعنی ساکن الی الخیر کو کبھی اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل احیاناً پیدا ہو جائے کیوں کہ محض انجذاب بمعنی میلان منافی سکون کے نہیں۔ چنانچہ اجسام ثقیلہ باوجود میلان الی المرکز کے ساکن بھی دیکھے جاتے ہیں، البتہ اس خواہش کے مقتضا پر عمل کرنا کہ حرکت من المقر ہے یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں نہ ہوگا۔ (۱)

ایک اور مقام پر مولانا تھانوی قدس سرہ نے نفس مطمئنہ کے بارے میں فرمایا:

اور نفس مطمئنہ کو جو مطمئنہ کہا جاتا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ آتش محبت سے خالی ہے مگر اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اندر اندر جلتے بھنتے رہتے ہیں گو ظاہر میں ہنستے پھرتے ہیں نوابِ شیفتہ نے ان کی حالت کو خوب بیان کیا ہے:

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ برلب ہا و آتش پارہ در دل ہا

نفس کو مکارم اخلاق سے آراستہ کرنے کے لیے ریاضت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے اور یہ مجاہدہ چار باتوں میں ہے:

(۱) قلت کلام (۲) قلت طعام (۳) قلت منام (۴) قلت اختلاط مع الانام

ان میں غلو اور افراط نہ کیا جائے، بلکہ حقوق نفس کو جن سے قوام حیات اور بقائے زندگی، باقی رکھے اور حظوظ نفس کو جو ان حقوق کے علاوہ ہیں اور جن پر دوام بدن اور بقائے زندگی موقوف نہیں، فنا کر دے، اس سے زائد غلو اور افراط ہے۔

ایسے اخلاق کی حقیقت بھی حکیم الامتؒ نے بیان فرما دی اور مکارم اخلاق اور اخلاق مذمومہ دونوں کو عجیب طریقے سے بیان فرمایا۔ فرماتے ہیں: ''اخلاق سب فطری اور جبلی ہیں اور درجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے اور نہ محمود بلکہ مواقع استعمال میں ان میں مدح وذم آجاتی ہے، مــن اعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان (یعنی جس نے اللہ ہی کی رضا کے لیے دیا اور اللہ ہی کی رضا کے لیے روکا تو اس کا ایمان مکمل ہوا) اس میں عطا اور منع دونوں کے ساتھ ''للہ'' کی قید ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں اور نہ بخل مطلقاً مذموم بلکہ اگر خدا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے ہوں تو دونوں محمود ورنہ دونوں مذموم"۔(۲)

مکارم اخلاق ویسے تو بہت ہیں لیکن چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۱) نیت وارادہ:

حدیث میں ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، چنانچہ فرمایا۔ **انما الاعمال بالنیات** (۳) اعمال کا اعتبار نیت پر ہے، نیت کیا ہے امت کے حکیم نے اس کو یوں واضح فرمایا" دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنا جس کو اپنی غرض ونفع کے موافق سمجھتا ہے، اس کو نیت کہتے ہیں اور اس کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ہر کام کے لیے پہلے علم کی ضرورت ہے اور علم کے بعد اس کو عمل میں لانے کا قصد وارادہ ہوتا ہے، اور اس کے ہاتھ پاؤں ہلانے اور کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے گویا قدرت قصد وارادہ کی خادمہ ہے (۴)

ایک اور جگہ پر مولانا تھانویؒ نے نیت کی حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

"نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ وہ فعل قصداً یا اختیاراً کیا جائے لیکن اس میں نہ غایت محمودہ کا تصور ہو نہ غایت مذمومہ کا، دوسرے یہ کہ غایت محمودہ کا قصد ہو، مثلاً میں نماز اس لیے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایت مذمومہ کا ارادہ ہو، مثلاً نمازیں اس لیے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے، پس ان تینوں صورتوں سے ریا مذموم اخیر کی صورت ہے اور صورت اولیٰ اور ثانیہ اخلاص میں داخل ہے۔(۵)

ایک اور جگہ نیت کی بارہ میں مجدد تھانویؒ نے یوں فرمایا۔ نیت یہ ہو کہ اس میں راستہ نظر آجائے اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقت ہے بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے۔ اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے خود کچھ تجویز نہ کرے۔(۶)

(۲) اخلاص:

دین اور تصوف میں سب سے بڑی اور اہم چیز اخلاص ہے اور کوئی عبادت اور کوئی نیک کام اللہ تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس میں اخلاص کی روح نہ ہو۔ اسی کو قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ **وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ**(۷)

حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ) میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے لیے اس کے لیے خاص رکھیں (ادیان باطلہ شرکیہ سے) ایک سو ہو کرتا۔

اس آیت میں ''مخلصین'' کا لفظ ہے اس کا مصدر ''اخلاص'' ہے اس کا معنی ہے کہ انسان جو نیک کام کرے اس کا باعث اس فعل کی نیکی ہو اور جو فرض یا واجب ادا کرے اس کا باعث اس فعل کی فرضیت یا وجوب ہو، وہ محض اپنے رب کی رضا کے لیے اس فعل کو کرے، نہ وہ فعل کسی کو دکھانا مقصود ہو اور نہ ہی کسی کو سنانا مقصود ہو، اصل مقصود بالذات اللہ کی رضا ہو، جنت کا حصول بھی بالتبع مطلوب اور دوزخ سے نجات بھی بالتبع مطلوب ہو۔

ایک اور مقام پر حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا:

''اپنی طرف سے صرف اللہ تعالی کے تقرب اور رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی اور رضا مندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کا آمیزش نہ ہونے دینا اخلاص ہے (۸) حکیم الامت تھانویؒ نے ایک اور مقام پر مقام فرمایا:

علامہ شعرانی نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اس کام کو کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آ جائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب ہو جیسے مسجد، مدرسہ کا اہتمام، یا وعظ کہنا یا کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو، رنج نہ ہو بلکہ خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ۔ وہ مجھ سے بہتر ہیں اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ، اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ تمہارا بوجھ بانٹنے کے لیے اس نے ایک آدمی کو بھیج دیا، اگر یہ حالت ہو تو پھر واقعی تم مخلص ہو۔ (۹)

(۳) تبلیغ:

اسلام میں تبلیغ کی بڑی اہمیت ہے اسی لیے قرآن حکیم میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کا وظیفہ زندگی ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ بلکہ قرآن حکیم میں ایک جگہ اس کو ''خیر امت'' اسی وجہ سے کہا ہے کہ یہ امت لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے لیے ایک لفظ ''دعوت'' بھی آیا ہے دعوت کی دو قسمیں ہیں ایجابی دعوت اور سلبی دعوت یعنی ایک اسلام کی حفاظت اور دوسری اسلام کی مدافعت۔ اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا مطلب یہ ہے کہ کتابوں کے نقوش ہمارے نفوس میں احوال وکیفیات کی صورت میں جلوہ گر ہو جائیں۔ اس کے اقوال کی حفاظت ہماری زبان سے، اعمال کی حفاظت ہمارے اعضاء وجوارح سے اور عقائد وتصورات کی حفاظت ہمارے قلب ودماغ سے ہونے لگے۔ گویا اسلام ہمارے ساتھ ہو اگر کوئی اسلام کو دنیا میں دیکھنا چاہے تو ہمیں دیکھ لے صحابہ کرامؓ نے اسی طریقہ سے اسلام کی حفاظت کی۔ جہاں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحابی جاتا اس کو دیکھ کر سارا شہر گرویدہ ہو جاتا۔ اس زمانہ میں ہم اس کی حفاظت کے لیے اس شان سے کھڑے ہیں کہ ہم ایک جانب ہیں اور اسلام ہمارے اندر نہیں بلکہ ہم سے ایک الگ ایک جانب۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیروں کو تو اسلام نظر نہیں آتا اور ہمیں اس کا طریق حفاظت اور ذریعۂ تبلیغ ہاتھ نہیں لگتا۔ کافر تو اندھیرے میں تھا ہی مسلمان بھی اندھیرے میں چلا گیا۔

اس سلسلے میں مولانا تھانویؒ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''علماء کی آج کل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا چاہیے کیوں کہ علوم اسلامیہ کے بقا کی صورت یہی ہے اور اس کے لیے وہ چندہ وغیرہ کرتے ہیں، اور چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہے تو علماء کو چاہیے کہ عوام کو اپنی طرف مائل کریں، اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ تبلیغ کے لیے رکھا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے اور اس کو ہدایا اور چندہ لینے سے بالکل منع کر دیا جائے، اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے، بلکہ مدرسہ کا پتہ بتا دے کہ اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر بھیج دو۔

(۴) تفکر:

قرآن حکیم میں تفکر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ '' لعلھم یتفکرون''تا کہ وہ کچھ فکر کریں ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا کہ صاحب عقل ودانش کے لیے لازم ہے کہ اس پر کچھ گھڑیاں گذریں۔

ساعة يناجي فيها ربه ، وساعة يحاسب فيها نفسه ، وساعة يتفكر فيها في صنع الله ، وساعة يخلو فيها لحاجته من المطعم والمشرب۔(۱۰)

ایک ایسی گھڑی جب کہ اپنے رب سے سرگوشیاں کرے، اور ایسی گھڑی جبکہ وہ اپنی ذات کا محاسبہ کرے، اور ایسی گھڑی جب وہ اللہ تعالی کی تخلیق میں غور کررہا ہو اور ایسی گھڑی جب کہ وہ کھانے پینے کی ضروریات کے لیے وقت نکالے، ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔ **فآثروا ما یبقی علی ما یغنی** ۔(۱۱) پس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی چیزوں پر ترجیح دو۔

فکر کیا ہے اس بارہ میں حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا:'' دو معلوم چیزوں کا ذہن میں حاضر کرنا جس سے تیسری چیز ذہن میں آجائے اس کا نام تفکر ہے مثلاً ایک بات یہ جانتا ہے کہ آخرت باقی ہے اور دوسری بات یہ جانتا ہے کہ باقی قابل ترجیح ہے ان دونوں سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آخرت قابل ترجیح ہے (۱۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں آتا ہے "کان دائم الفکرۃ متواصل الاحزان" کہ آپؐ ہمیشہ فکر وسوچ اور غم میں رہتے تھے۔ اس فکر وغم کا یہ اثر تھا کہ آپؐ کبھی کھل کر نہ ہنستے تھے، آپؐ کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا تھا کہ آپ تبسم فرمالیتے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر تبسم فرمالیتے تھے ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدیدہ ہوں جو آپؐ پر منکشف تھے اس کو تو تبسم بھی نہیں ہوسکتا۔(۱۳)

(۵) تفویض:

اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردینا کہ جو وہ چاہے اس میں تصرف کرے اور اپنی طرف سے کوئی طاقت یا نظام تجویز نہ کرنا تفویض کہلاتا ہے جو تمام حالات کو شامل ہے خواہ وہ حالات آفاقیہ ہوں یا انفسیہ۔ تفویض سے معنیٰ ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی پر نظر نہ رکھے۔ تدبیر کرے لیکن تدبیر کے نتیجہ کو اللہ کے سپرد کردے اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق نہیں ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض وتسلیم اختیار کرے۔(۱۴)

ایک اور مقام پر حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا:

اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے۔ تجویز ہی تمام پریشانیوں کا سبب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کررکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہیے، پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کے لیے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ اسی لیے اہل اللہ نے تجویز منقطع کر کے یہ مذہب اختیار کرلیا ہے۔

زندہ کنی لقائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۱۵)

(۶) تقوی:

تقوی کا امر اور فضیلت کا ذکر قرآن حکیم میں جس قدر ہے غالباً کسی اور چیز کا اتنا ذکر نہیں ہے، جس سے اس کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوا۔ تقوی کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک ''ڈرنا'' اور دوسرے ''بچنا'' اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو معاصی سے بچنا ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیوں کہ جب کسی کا خوف دل میں ہوتا ہے جبھی اس سے بچا جاتا ہے۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ میں تقوی کے بارے میں فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''خیال رہے کہ ہر شے اور اعضاء کا تقوی ہے۔ آنکھ کا تقوی یہ ہے کہ بری نگاہ سے کسی عورت یا امرد کو نہ دیکھے، زبان کا تقوی یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، کسی کو ستائے نہیں۔ پاؤں کا تقوی یہ ہے کہ بری جگہ چل کر نہ جائے، کان کا تقوی یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے، روگ باجے سے بچے، وضع میں بھی تقوی ہے کہ خلاف شریعت وضع نہ رکھے۔ پیٹ کا تقوی یہ ہے کہ حرام مال نہ کھائے، وغیرہ حاصل یہ کہ صادق اور متقی یہی لوگ ہیں جن کے یہ اوصاف ہیں۔

جو کام کریں اس میں یہ دیکھ لیں کہ ہم خلاف شریعت تو نہیں کرتے، خواہ کام دین کا ہو یا دنیا کا۔(١٦)

(۷) تواضع:

تواضع بھی اخلاق حمیدہ کا ایک جزو ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''رحمان یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو سربلند کرتا ہے۔ حکیم الامت مولانا تھانویؒ تواضع کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشی سمجھے، اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔ اس کی اصل مجاہدۂ نفس ہے کیوں کہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور تم اپنے نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی تو ایسا ہے پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج اثر نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلی درجہ ہے کہ مدح وذم برابر ہو جائے مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیوں کہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی کیوں کہ غیر اختیاری ہے۔ البتہ اختیاری امور میں تواضع اختیار کرے۔

اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت عطا فرمائیں گے۔ نیز اتفاق کی اصل تواضع ہے جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی۔ ان میں نااتفاقی نہیں ہوسکتی۔ تواضع میں جذب اور کشش کی خاصیت ہے متواضع کی طرف خود انجذاب ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو۔(١٧)

ایک اور مقام مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

یہ سمجھ کر تواضع اختیار کریں کہ اللہ تعالی کی عظمت کا حق یہی ہے کہ اس کے سامنے پستی اور تواضع کو اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفت بنائیں اور اپنے کو لاشئے سمجھیں۔

لباس اور تواضع سے یا اہل دنیا کی طرف گفتگو سے طلب عزت کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت بھلا پن ہے جس جماعت میں شمار ہے اسی کی اصطلاح وضع اور طرز کو اختیار کریں، عزت اسی میں ہے۔ اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ بھی ہوئی تو کیا پروا ہے خالق کے نزدیک تو ضرور عزت ہوگی ظاہری اسباب عزت کی ضرورت نہیں۔ انسان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو گو ظاہر میں فقیر ہو عارف فرماتے ہیں:

مبیں حقیر گدایاں عشق را کیں قوم
شہاں بے کمر و خسرواں بے کلہ اند

اگر کوئی لباس پر طعن کرے، کرنے دیں طرز میں عیب نکالے، نکالنے دیں کسی کی تحقیر کی پروانہ کریں، تمہارے اللہ کی رضا کافی ہے ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔ (۱۸)

(۸) توبہ:

خطاء (گناہ) کو یاد کر کے دل کا دکھ جانا اور اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کے لیے پختہ ارادہ کرنا کہ اب نہ کریں گے، اور ناجائز خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔ توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اخروی زندگی کے لیے سم قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کرے۔ (۱۹)

حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے ایک اور جگہ توبہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

حق تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں سب کو بخش دوں گا اور گناہوں کی کثرت کی پروانہ کروں گا۔

حدیث میں ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ وہ شخص جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو۔ (۲۰)

عصمت انبیاء ایک مسلمہ امر ہے پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں۔

اس کی پروانہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے تو فوراً دوبارہ پھر توبہ کر لیں، مگر شرط یہ ہے

☆ ڈائریکٹر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ توبہ دل سے ہو، یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے۔ اس طرح توبہ کر کے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے کچھ پروا نہیں ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں اور اہل طاعت میں سے شمار ہوں گے۔(۲۱)

مولانا تھانویؒ ماضی کے گناہوں کے بارہ میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے، بلکہ کام میں لگا رہے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اس کے اور محبوب حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائے گا۔ جب بندہ خالص توبہ کرتا ہے (جو مقبول ہوتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ملائکہ حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جوارح کو اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ گناہ کیا تھا جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کی گواہی دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔(۲۲)

(۹) توکل:

صرف کارساز پر قلب پر اعتماد کرنا توکل ہے۔ توکل کی دو قسمیں ہیں۔ علماً اور عملاً علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی اور مدبر حقیقی اللہ جل شانہ کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر میں اس کا محتاج اعتقاد کرے یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیہ ہے۔ دوسری قسم کا توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے۔

اسباب یقینیہ یعنی جن پر وہ نفع عادتاً ضرور مرتب ہو جاوے جیسا کہ کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا، پانی پینے کے بعد پیاس کم ہو جانا، اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور شرعاً یہ توکل ہے اور لغتاً توکل کہا جائے تو یہ توکل ناجائز ہے، اور اسباب ظنیہ جن پر غالب نفع مرتب ہو جائے مگر بار بار تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری اور مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے، جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں یہ ضعیف النفس کے لیے تو جائز نہیں اور قوی النفس کے لیے جائز ہے بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لیے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی مؤکد ہے۔(۲۳)

(۱۰) خشوع:

خشوع کیا ہے؟ کسی نیک عمل میں بطور معقودیت کوئی غیر اللہ کا خیال قلب میں حاضر نہ ہونا اور قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہونا خشوع ہے، خشوع لغتاً مطلق سکون کو کہتے ہیں اور شرعاً سکون جوارح کو جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب جس کی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع، اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے، مثلاً قوی شخص اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت نماز کے علاوہ صادر نہ ہونے دے، وہ اس کا مکلف ہوگا اور جو کسی درد میں مبتلا ہے، غلبہ درد کے وقت اس پر قادر نہیں جب درد اٹھے گا، بے چین ہو کر پیچ و تاب کھائے گا۔ اس لیے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ از سر نو اس سکون کا مکلف ہوگا۔

اعمال میں خشوع کا طریقہ مولانا حکیم الامت تھانوی نے بتایا:

اس خشوع کا طریقہ یہ ہے کہ پختہ حافظوں کی طرح نماز نہ پڑھا کریں، بلکہ ایسے ناظرہ خوان یا حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو، تو جس طرح ایسا ناظرہ خوان یا حافظ ہر لفظ کو دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور ہر لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے اسی طرح نماز میں ہر ہر لفظ مستقل توجہ اور ارادہ کیا کریں۔ (۲۴)

تصوف اخلاق پر قابو پانے کا نام ہے، وساوس قلب کے اندر نہیں ہوتے بلکہ شیطان باب قلب سے اندر کی طرف وساوس پھونکتا ہے قلب کے اندر کی چیز کو صدمہ نہیں ہوتا۔ وساوس بجلی کی تاریں ہیں، اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہیے۔ نہ نکالنے کی کوشش کرے اور نہ لانے کی شیطان سرکاری کتا ہے بھونکتا ہے تو بھونکنے دیں۔

آں خداونداں کہ رہ طے کردہ اند
گوش با بانگ سگاں کے کردہ اند

ان اخلاص حمیدہ کے علاوہ اور بھی کئی اخلاق حمیدہ جن پر اہل تصوف کی خاص نگاہ ہوتی ہے جیسے خوف، دعا، رجاء، اضیاء، زہد، شکر، صبر، صدق اور محبت وغیرہ اہل تصوف قلب کے تمام رذائل کو نکال کر فضائل اخلاق سے اسے مزین کرتے ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں حب جاہ اور حب دنیا کی وجہ سے بعض مشائخ اور اہل خانقاہ نے دوائے دل اور متاع درد تقسیم کرنے کی بجائے اپنی مشیخیت کی دکانیں سجا رکھی ہیں، اب وہاں اصلاح قلب، تربیت نفس اور اخلاص وللہیت کی دولت ملنے کے بجائے نفس کو غذا اور عقل کو بہانہ جو دنیا طلبی کا حیلہ اور سند ملتی ہے، ایسے موقعوں پر مصلحت اندیشوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے جو فی نفسہ اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کے بھیس میں آ کر کام کرنے لگتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات حواشی

(۱) التکشف النور، ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ۔

(۲) انفاس عیسی، ص ۱۸۷۔

(۳) فتح الباری ۱/۹، ۱۳۵، ۵/۱۶۰، مسلم رقم ۱۹۰۸۔

(۴) تبلیغ دین ص ۳۸

(۵) دعوات عبدیت، ۲/۱۴۷

(۶) کمالات اشرفیہ ص ۱۲۴

(۷) سورۃ البینہ آیت ۵

(۸) اشرف المسائل ص ۹۱

(۹) التبلیغ، ترجیع الآخرۃ، ۲۰/۲۴۸

(۱۰) ابن حبان: صحیح والحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد وعن ابی داؤد

(۱۱) مسند احمد، ۲/۲۴۵

(۱۲) تعلیم الدین: ۴۸

(۱۳) انفاس عیسی ص ۲۳۱

(۱۴) وعظ الجبر بالصبر ص ۲۶

(۱۵) شریعت وحقیقت ص ۱۳۵

(۱۶) تفویض:

(۱۷) وعظ الصوم ص ۱۹

(۱۸) انفاس عیسی ص ۱۴۷

(۱۹) وعظ المرغبہ المرغوبہ ص ۲۷

(۲۰) تبلیغ دین ص ۱۸۵

(۲۱) انفاس العارفین ص ۱۹۲

(۲۲) وعظ الجمعیت ص ۹۹

(۲۳) اشرف السوانح ۲/۲۰۰-۲۰۰۱

(۲۴) بوادر النوادر ص ۲۸۷

(۲۵) ایواء الیتامی ص ۲۳

© rasailojaraid.com